Fikr-o-Nasar (Islamabad) 4:10 (1967)

افکار و آراء

میگ گل (کینیڈا) سے ایک خط

مکرمی! ....

.... اس حلقے میں ہند و پاکستان کے مسلمانوں کی فکری تاریخ کو UNEXPLORED FIELD کہا جاتا ہے، کیوں کہ اس کے متعلق انگریزی میں کوئی خاطر خواہ کتاب موجود نہیں، کوشش کریں کہ انگریزی میں بھی کچھ کام ہو لیکن اس کی طباعت و جلد بندی جاذب نظر ہو، ورنہ مغرب میں ایسی کتاب کا اچھا تاثر نہیں ہوتا، اب اکثر و بیشتر شاہ ولی اللہ کا نام ان حلقوں میں لیا جانے لگا ہے لیکن ابھی کام کی ضرورت ہے۔

'فکر و نظر' کے پرچے اگست تا نومبر مل گئے ہیں۔ .... مولانا احمد حسن صاحب کا مضمون بہت پسند آیا۔ اگرچہ آخری حصے میں وہ غیر منطقی طور پر رائے کو حکومت کے سپرد کر دینے پر رضا مند ہو گئے ہیں، اگر وہ مضمون میں قاری کو اس چونکا دینے والے فیصلے کے لئے تیار کر پاتے تو شاید یہ غیر منطقی نظر نہ آتا۔ میں بھی چوں کہ اسی موضوع پر ایک مضمون لکھ رہا ہوں اس لئے اس مضمون سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ میں اپنے مختصر سے مطالعے سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اصولِ فقہ پر کلامی جدلیات کا گہرا اثر پڑا ہے۔ اصل میں حنفی فقہا کے اصولِ فقہ قطعاً مختلف تھے۔ ان کے مخالف چوں کہ متکلمین تھے، جو اتفاق سے اکثر و بیشتر شافعی المذہب تھے۔ اس لئے انھوں نے امام شافعی کے نظریۂ سنت کو زیادہ کلامی نظر سے دیکھا اور آگے بڑھایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امام غزالی وغیرہ کے نزدیک علم کلام کا اصول فقہ سے پہلے سیکھنا ضروری قرار پایا۔ اگرچہ اصولِ فقہ کا انحصار اس پر نہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے تو حنفیوں کا نظریۂ سنت، جو کسی حد تک اجماع کا [اور اجماع بہت حد تک عرف کے] مترادف تھا، کلامی بحثوں کی زد میں آیا۔ امام کرخی (م ۳۴۰ھ) نے حنفی فقہ کے جو اصول تحریر

کئے تھے۔ ان میں صاف لکھا تھا کہ اگر کوئی آیت یا حدیث یا مرسل ہمارے اصحاب کے اقوال کے مخالف ملے تو وہ یا منسوخ ہے یا مرجح یا مؤول۔ ان کے بعد امام سرخسی (م ۴۸۳ھ) کا امام شافعی پر اعتراض یہی تھا کہ انہوں نے مرفوع حدیث کا سوال اُٹھا کے ایک طرف تو مشکوک احادیث پر انحصار کیا تو دوسری طرف مرسل احادیث کو جو اکثر ان مرفوع احادیث کے مقابلے میں زیادہ متحقق تھیں، ترک کر دیا۔ پھر مشہور یہ ہے کہ امام حسن شیبانی، امام شافعی سے بہت متاثر ہوئے حالاں کہ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں احادیث پر زیادہ انحصار کیا ہے۔ جب کہ امام شیبانی کی جامع الصغیر والکبیر میں احادیث سے استنباط نہ ہونے کے برابر ہے۔ غالباً ہوا یہ ہے کہ نظامی مدارس میں شافعی اور اشعری غلبے کی بنا پر جب عام توجہ عقائد کو کلامی رنگ دینے پر صرف ہوئی تو اصول فقہ میں بھی یہ کوشش کی گئی، چناں چہ امام نسفی نے جنہوں نے کہ عقائد پر کتاب لکھی۔ اصولِ فقہ کو بھی اسی رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ ان کے نزدیک اصل حکم صرف اللہ کا ہے۔ اُسے معلوم کرنے کے دو طریقے ہیں۔ یا وحی یا غیر وحی (الہام)۔ پھر وحی دو قسم کی ہے۔ وحی متلو اور غیر متلو۔ غیر وحی دو قسم کی ہے۔ یا انفرادی (قیاس اور اجتہاد) یا مجموعی (اجماع) وغیرہ وغیرہ۔ الغرض انہوں نے حنفیوں کے اس موقف کو کہ اجماع یا "تعامل ناس" اصل ہے، کلامی رنگ دے کر اصولِ فقہ کا رُخ بدل دیا۔

بہر حال یہ میرا خیال ہے، غلط بھی ہو سکتا ہے، صحیح بھی۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ آج کا تجدد پسند جب یہ کوشش کرتا ہے کہ نئی ضرورتوں کے لئے حل تعامل ناس (سنت) سے اور روایات (اجماع۔ تواتر) کی تعبیر کرکے کرے تو ایک طرح سے وہ حنفی اصولِ فقہ پر عمل کر رہا ہوتا ہے، میں نہیں کہہ سکتا میرا تجزیہ کہاں تک درست ہے، تاہم میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔

میرے خیال میں پروفیسر رفیع اللہ صاحب کے مضامین ایک لحاظ سے ادارہ کے بنیادی موقف کے خلاف جاتے ہیں، یعنی وہ اپنے نتائج انہی بنیادوں اور اصول سے استنباط کرکے ان کو اور زیادہ قوی کرنا چاہتے ہیں، جن سے غالباً ہمیں پیچھا چھڑا لینا چاہیئے۔

ہمیں دراصل یہ اصول منوانا ہے کہ یہ نیا دَور ہے۔ قدیم جاگیردارانہ دَور سے قطعاً مختلف ہے اور اُس دَور کی روایات کا سہارا لینا آئندہ دَور میں بے حد خطرناک ہوگا۔ گزشتہ چھ سو سال کی (کیوں کہ ان روایات کے ارتقاء کی تاریخ ساتویں صدی ہجری سے شروع ہوتی ہے) ان روایات کو پس پشت ڈالنا تکلیف دہ تو ضرور ہوگا لیکن یہ خود ان روایات کی روح کا تقاضا ہے کہ ہم روحِ عصر کو سمجھیں

اور اس "رومی عصر" کے شاعرانہ خلوت کدہ سے باہر نکلیں۔

از خالد مسعود
(سابق مدیر معاون فکر و نظر، فیلو ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی)

اسلامی معاشرے میں خلفشار نے کیسے راہ پائی ؟

جناب ایڈیٹر صاحب فکر و نظر !

مجھے انہی دنوں ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری کی عربی کتاب "الفتنۃ الکبریٰ" کا اردو ترجمہ پڑھنے کا اتفاق ہوا، جس میں موصوف نے عثمانی خلافت میں پیدا ہونے والے فتنوں کا تاریخی تجزیہ کیا ہے، مجھے ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے تمام نتائج سے تو اتفاق نہیں، لیکن موصوف کا یہ کہنا کہ خلافتِ راشدہ کے تسلسل کو توڑنے والی چیز در اصل وہ اجتماعی د زرعی نظام تھا، جو حضرت عثمان کے عہد میں رونما ہوا، اور اس نے جاگیرداری کی شکل اختیار کی، بالکل ٹھیک ہے ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان کے دورِ خلافت میں عراق میں بعض لوگوں نے بڑی بڑی جاگیریں خرید لی تھیں، جہاں مزارع اور ملازم کام کرتے تھے اور ان کی وجہ سے مالکوں کی آمدنیاں لاکھوں تک پہنچ گئی تھیں، موصوف کے نزدیک یہی وہ فتنہ ہے، جس سے اسلامی معاشرے میں سب سے پہلے خلفشار کے بیج پڑے، اور خلافت نے آگے چل کر ملوکیت کی شکل اختیار کی۔

میرے خیال میں اگر اسلامی معاشرے میں خلفشار کی ابتدا، اس معاشی واقعہ سے قرار دی جائے، تو بعد کے واقعات آسانی سے سمجھ میں آ سکتے ہیں، ورنہ تاریخ تو واقعات کا ایک ڈھیر ہو کر رہ جاتی ہے، اس ڈھیر میں سے ہر شخص کو حق پہنچتا ہے کہ جو واقعہ دل پسند ہو، اُٹھا کر اُس کی ایک ہزار تعبیریں کر ڈالے، جس میں سے ہر تعبیر VALID ہو گی۔ گویا تاریخی واقعات کے تسلسل اور بہاؤ کا باعث کوئی بنیادی عنصر نہیں ہے اور نہ تاریخ اپنے خارجی قوانین OBJECTIVE LAWS رکھتی ہے جو افراد کی ذاتی خواہشوں اور مطالبات سے آزاد رہتے ہوئے اپنا عمل کرتے ہیں۔

ہمارے ہاں اس کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے، یہاں پر کوئی بھی منظم اور منضبط فکر کا قائل نہیں ہے۔ آہستہ آہستہ میں اس بات کا قائل ہوتا جا رہا ہوں کہ جب تک قرآنی آیات کی ترتیبِ نزول پر زور نہیں دیا

جائے گا ملّتِ مسلمہ میں سے فکری انتشار کبھی ختم نہیں ہو سکتا، یہ صرف ترتیبِ نزولی ہی ہے جو ہر آیت کے تاریخی کیریکٹر کو متعین کر کے اس کی دس ہزار تعبیریں ہونے سے روک دیتی ہے۔ آیت کو تاریخی موطن CONTEXT میں رکھ کر ہم اس کی ایک ہی تعبیر کر سکتے ہیں، دو نہیں۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ بچے ایک کھیل کھیلا کرتے ہیں، جس میں لکڑی کے کچھ ٹکڑے ہوتے ہیں، انہیں جوڑ کر دہ مکانات کے مختلف ڈیزائن بناتے ہیں۔ اس کھیل کو BUILDING CONSTRUCTION کہتے ہیں۔ اور اس سے MULTIFARIOUS ڈیزائن تیار ہو سکتے ہیں۔ آج کل قرآن کا بالکل یہی حال ہے۔ نزول کی تاریخی ترتیب سے ہٹی ہوئی آیات ایک ڈھیر کی مانند ہیں جس میں سے ہر شخص اپنے مطلب کا ڈیزائن تیار کر لیتا ہے اور پھر اس ڈیزائن کو آسمانی قرار دے کر مجتہد اور امام ہونے کا دعوےٰ کر دیتا ہے۔ قرآن ان کے ہاتھوں میں بازیچۂ اطفال ہے جس کی آیات کا نہ کوئی تاریخی کیریکٹر متعین ہے اور نہ مفہوم۔ ہر شخص اُسے اپنا گھڑا ہوا مفہوم پہنانے اور اُس کا کیریکٹر متعین کرنے کے لئے آزاد ہے۔

اور اس پر مزید ظلم یہ ہے کہ اگر تاریخی ترتیب کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھا جاتا تو کم از کم آیات کے داخلی مفہوم کو متعین کر کے ان کا ساتھ دیا جائے۔ ہر آیت اپنے اندر ایک اور صرف ایک ہی مفہوم رکھتی ہے اور اس سے کوئی نہ کوئی کائناتی یا معاشرتی قانون ہمارے سامنے آتا ہے۔ اگر ہم اپنے بنائے ہوئے مقاصد اور خواہشات کو الگ رکھ کر سائنٹیفک غیر جانب داری سے کام لیں تو بھی کسی بہتر نتیجے تک پہنچ سکتے ہیں۔ اور جو یقیناً آیت کے تاریخی مفہوم سے قریب تر ہوگا۔

اس سارے عمل میں محک کا کام ہماری خارجی معاشرتی زندگی دے گی جس پر اس آیت کے اخذ کردہ مفہوم کے اطلاق سے اس کی صحت کو جانچا جا سکتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ قرآن دانی کا دعوےٰ کرنے والا کوئی بھی اس طرف دھیان نہیں دیتا، نتیجہ یہ ہے کہ پوری ملّت کے اندر ایک فکری خلفشار بپا ہے، اور یہ خلفشار اس کے سیاسی اور معاشرتی زوال کا باعث بن رہا ہے۔

ذہنِ نبوّت کی سب سے بڑی خصوصیت اُس کی سائنٹیفک غیر جانبداری ہوتی ہے یعنی نبی کا ذہنی عمل INDUCTIVE ہوتا ہے۔ وہ جزئی واقعات سے کلّیات تک پہنچتا ہے، نہ کہ کلّیات سے جزئی واقعات تک۔ ہر نبی بعثت سے پہلے ایک طویل عرصہ اپنے عہد کی حیاتِ معاشرہ کے مطالعہ میں گذارتا ہے، اور اس شدید ذہنی کاوش کے بعد اُس پر وحی کا نزول ہوتا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وحی الٰہی ذہنِ نبوّت کا

QUALITATIVE CHANGE ہے۔

اور قرآن حکیم کے ہر طالب علم کو بھی اسی ذہنی عمل (PROCESS) سے گذرنا پڑتا ہے اگر وہ اس سے نہیں گذرے گا تو وہ مطالب قرآن کی بنیاد سے واقف نہیں ہو سکے گا۔ اور اسی بات کو یوں ادا کیا گیا ہے کہ

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب   گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

مگر میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ موجودہ عہد کا کوئی قرآن دانی کا دعویٰ کرنے والا اس ذہنی عمل سے گذرنا تو کجا اس اصول سے ہی ناواقف ہے۔ آیاتِ قرآنی کی ساری OBJECTIVITY کا یہ لوگ ستیاناس کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اور اس کی بجائے اُسے اپنا مفہوم پہنا دیتے ہیں۔

اب آپ غور فرمائیں کہ جب قرآن اور تاریخ اسلامی دونوں کے دونوں ایک واضح تاریخی کیریکٹر سے محروم ہو کر گورکھ دھندا JUMBLE بن جائیں تو بے چارے مسلمانوں کا کیا حشر ہو گا۔

قرآن چوں کہ حیات کی شدید انقلابی جدوجہد سے وجود پذیر ہوا ہے۔ لہٰذا اُس میں حیات کے دل کی دھڑکن سب سے زیادہ تیز ہے۔ حقیقی بھی ہے اور۔ تصنع سے پاک۔ قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی APPROACH مابعد الطبیعاتی نہیں کیوں کہ اس کا مطمحِ نظر کائنات اور حیات کی محض تشریح کرنا نہیں بلکہ اُسے بدلنا ہے، اس لئے مابعد الطبیعاتی منطق جس فکری سکون کو پیدا کرتی ہے قرآن نے اس کی بجائے عمل اور انقلاب کی اپیل کو اپنایا ہے۔

یہ بات قطعاً غلط ہے کہ حقیقت اولیٰ کی نقاب کشائی صرف مابعد الطبیعاتی طریق تحقیق ہی کر سکتا ہے، بلکہ اگر ہم حقیقتِ اولیٰ کو تخلیق و ارتقاء کا مصدر تسلیم کر لیں تو مذکورہ تحقیق کے طریق کی کامیابی پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ یہ طریقِ تحقیق ایک ایسی ENTITY کے متعلق ہی ہمیں معلومات بہم کر سکتا ہے جو فکر محض ہو، جس طرح ہندو فلسفہ میں ہستی کو حق، فکر اور سکون سے تعبیر کیا جاتا ہے ـــ میرے خیال میں قرآن حکیم نے ہستی مطلق کو 'حق' قرار دینے کے ساتھ اُسے فکر محض تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے، اور فکر کو اُس کی ایک قدر ذاتی قرار دیتا ہے، لیکن یہ فکر ہمہ وقت اس کے تخلیقی عمل میں اپنے آپ کو TRANSLATE کرتا رہتا ہے، اس لئے سکون اپنے روایتی معنوں میں ہستی مطلق کی قدر ذاتی نہیں بن سکتا۔

الطاف جاوید
مارٹن روڈ، کراچی